# سیدھی بات سے اصلاحِ اعمال کا بہت گہرا تعلق ہے

# قول سدید نہیں ہوگا تو اصلاح نہیں ہوگی

(خطبہ جمعہ فرمودہ 14 اگست 1998ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انورؒ نے درج ذیل آیاتِ کریمہ کی تلاوت کیں:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴿۷۱﴾ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۲﴾ (الاحزاب:71،72)

پھر فرمایا:

آج کے خطبہ کے لئے میں نے قرآن کریم کی دو دو آیات مختلف سورتوں سے اخذ کی ہیں اور انہی کو اس خطبہ کا عنوان بنایا ہے۔ یہ پہلی دو آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے سورۃ الاحزاب کی آیت اکہتر ویں اور بہتر ویں ہیں۔ دوسری دو آیات میں نے سورۃ البقرۃ سے چنی ہیں پینتالیس اور چھیالیس جو اس طرح ہیں۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ کیا تم لوگوں کو تو نیکی کی تعلیم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم عقل نہیں کرتے۔ وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ اور صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ وَ اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ (البقرۃ:45،46) اور یہ بہت بڑی بات ہے مگر ان لوگوں کے لئے جو خاک بہ سر ہوں، جو مزاجاً مٹی سے ملے رہیں۔ یہ دو آیات ہیں جن کو میں ایک دوسرے کے بعد خطبہ کا موضوع بناؤں گا۔

پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ آیات اکثر نکاح کے موقعوں پر تلاوت کی جاتی ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی بات کہو۔ سیدھی بات کے متعلق میں پہلے بھی کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ سیدھی بات سچی بات سے زیادہ اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔ سچی بات کہنے کے نتیجے میں بھی بعض دفعہ غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سیدھی بات کرنے کا عادی پوری کوشش کرتا ہے کہ بات اس طرح کرے کہ سچی بھی ہو اور اس سے کوئی غلط فہمی بھی پیدا نہ ہو۔ جو اس کے دل کا منشاء ہے وہ پوری طرح کھل کر ظاہر ہو جائے۔ یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ کیونکہ سیدھی بات سے اصلاح اعمال کا بہت گہرا تعلق ہے۔ ایک بات تم کرو دوسری بات اللہ نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ اگر سیدھی بات کو شیوہ بناؤ گے تو وہ ضرور تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دے گا۔ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ اور تمہارے گناہ جو اس سے پہلے سرزد ہو گئے ان کو معاف فرما دے گا۔ وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے پس اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی یعنی یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہے گا، اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توفیق ملتی چلی جائے گی اور جوں جوں تم اطاعت کرو گے ساتھ ساتھ تم نیکی میں ترقی کرتے چلے جاؤ گے یہاں تک کہ اس کا کوئی منتہیٰ نہیں سوائے اس کے کہ جب تمہیں موت آئے گی تو تم ایک کامیابی کی حالت میں مر رہے ہو گے، بہت بڑی کامیابی تمہیں نصیب ہو گی۔

ان آیات سے متعلق پہلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث پیش کرتا ہوں جو میرے نزدیک ان آیات سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ مسند احمد بن حنبل سے یہ حدیث لی گئی ہے عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

> ''جب میں ابھی بچہ ہی تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر پر تشریف لائے۔ میں کھیلنے کودنے کے لئے گھر سے باہر جانے لگا۔ میری والدہ نے کہا اے عبداللہ! جلد گھر چلے آنا میں تجھے کچھ دوں گی۔''

اس لالچ میں کہ مجھے کچھ ملے گا ان کا خیال تھا کہ یہ کھیل کود میں دل لگانے کی بجائے دماغ گھر کی طرف رکھے گا اور جتنی جلدی اس کو توفیق ملے گی واپس آ جائے گا۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے اسے کیا دینے کا ارادہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کھجوریں دینا چاہتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تو نے ایسا نہ کیا تو یہ تیرا جھوٹ شمار ہوگا۔''

(مسند احمد بن حنبل، حدیث عبداللہ بن عامر، مسند نمبر: 15702)

پس قول سدید کا تجربہ گھروں سے شروع ہونا چاہئے۔ تمام وہ اولادیں جو رفتہ رفتہ بگڑ کر دور چلی جاتی ہیں بچپن میں ان سے قول سدید سے کام نہیں لیا جاتا۔ بارہا میں نے ماؤں کو توجہ دلائی ہے اور اب پھر میں دوبارہ متوجہ کرتا ہوں باپ بھی مخاطب ہیں مگر بالعموم مائیں جن کا روزمرّہ بچوں سے واسطہ ہوتا ہے اکثر وہ بچوں کو گلے سے اتارنے کے لئے کوئی جھوٹا وعدہ کر دیتی ہیں اور جب وہ پورا نہیں کرتیں تو یہ قول سدید کے خلاف ہے اور قول سدید کے نہ ہونے کے نتیجہ میں اصلاح ہو ہی نہیں سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اصلاح کا وعدہ قول سدید سے وابستہ فرما دیا ہے تو ظاہر ہے کہ قول سدید نہیں ہوگا تو اصلاح نہیں ہوگی۔ یہ دو باتیں قول سدید اور اصلاح لازم ملزوم ہیں۔ اگر ایک نہیں ہوتی تو دوسری بھی نہیں ہوگی اور یہ نکتہ اکثر لوگ اپنے بچوں کی تربیت میں بھلا دیتے ہیں۔ بچوں سے جو بات کہو صاف اور سیدھی کہو اس کے نتیجہ میں وہ ہمیشہ اوّل تو تمہاری زیادہ توقیر کریں گے کیونکہ جو شخص اپنے وعدہ کا پکا ہو اور صاف کھری بات کہنے والا ہو ہمیشہ اس کے لئے دلوں میں عزت پیدا ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک ایسا طبعی نتیجہ ہے جسے نظرانداز کیا ہی نہیں جا سکتا۔

حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ کھری بات کرنے والے تھے۔ اگر کھری بات کے نتیجہ میں لوگ دور بھاگ رہے ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد تو کوئی بھی نہ رہتا۔ اصل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لوگوں کے اوپر رحمت اور شفقت کا سلوک ایک الگ مسئلہ ہے اس نے بھی لوگوں کو کھینچے رکھا مگر یہ بات لوگ نظرانداز نہ کریں کہ کھری بات کہنے سے بھی عزت بڑھتی ہے اور جو ہمیشہ کھری بات کہنے والا ہو آہستہ آہستہ اس کی نصیحت سے منافرت نہیں پیدا ہوتی بلکہ دن بدن اس کی عزت اور احترام کا جذبہ دل میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھری باتیں کہنے میں ظاہر ہے دُنیا میں تمام پہلوں اور اگلوں سے سبقت لے گئے اور سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر کی گئی۔ بہت گہری توقیر ہے جو صحابہؓ کے دل میں بھی تھی بلکہ دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کھری بات کی قدر کرتا تھا۔

جو ابو جہل والا واقعہ آپ کے سامنے ہے اس میں بھی آپ ﷺ نے جا کر جب کہ وہ شدید مخالف تھا کھری بات کہی اور اس کے دل میں اس کھری بات کا رعب پڑ گیا۔ جب بھی کوئی غیر آپ ﷺ کی بات سنتا تھا جانتا تھا کہ سچی بات ہے اور اس کے نتیجے میں منافرت کی بجائے عزت بڑھا کرتی تھی۔ پس اپنے گھروں میں یہ تجربہ تو کر کے دیکھو۔ اپنے بچوں سے کھری بات کہو اور دیکھو کہ ان کے دلوں میں دن بدن عمر کے ساتھ ساتھ تمہاری عزت بڑھے گی اور اگر یہ نہیں کرو گے تو پھر اولاد ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ آج تک میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی اپنے بچوں سے دھوکے کی باتیں کرتا ہو اور بچے پھر ان کی کوئی عزت کرتے رہیں یا آزاد ہونے کے بعد دین سے اور دُنیا سے ہر لحاظ سے ان کے اثر سے باہر نہ نکل گئے ہوں۔ جب ان کو توفیق ملتی ہے وہ بڑے ہو کر اپنے ماں باپ کے دائرہ اثر سے باہر نکل جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس موضوع پر تین باتیں ایسی بیان کیں جو منافق کی نشانی ہیں۔ ان میں سے ایک وہی ہے جس کا ذکر کر رہا ہوں۔ فرمایا:

”منافق وہ ہے جو جب کوئی وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔“

(صحیح البخاری، کتاب الشہادات، باب من أمر بأنجاز الوعد، حدیث نمبر: 2682)

پس سب سے پہلے تو بچوں سے وعدہ کرو تو اس میں وعدہ خلافی نہ کرو۔ جو بچوں سے وعدہ خلافی کرے گا وہ باہر بھی وعدہ خلافی کرے گا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ بچے جو اپنے سب سے پیارے ہوں اور عزیز ہوں ان سے تو آدمی وعدہ خلافی کرتا رہے اور باہر کے وعدے پورے کرے یہ ناممکن ہے، فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ تو آنحضور ﷺ نے منافق کی یہ علامتیں بیان فرمائی ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ہوش مند شخص جانتے بوجھتے ہوئے منافقت کی راہ اپنے لئے پسند کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موضوع پر جو کچھ فرمایا ہے میرا خیال ہے میں اس حصّہ کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں لیکن اپنی یادداشت کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا عمل اس بارے میں بیان کر دیتا ہوں۔ بہت سے واقعات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ایسے گزرے ہیں کہ ایک شخص جو بیرونی نظر سے ان کو دیکھے وہ سمجھے گا کہ یہ اللہ کا کیسا نبی ہے جو اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں مبتلا رہا ہے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جیب میں روڑے بھرے ہوئے تھے۔ اب ملّاں اور بدبخت لوگ ہنسیں گے اور قہقہے لگائیں گے کہ یہ نبی

بنا ہوا ہے جیب میں روڑے ہیں۔ وہ اس لئے تھے کہ اپنے ایک بچے سے جو روڑوں سے کھیلتا اور شور مچارہا تھا آپؑ نے کہا کہ یہ روڑے مجھے دے دو اور باہر جا کر کھیلو۔ جب واپس آؤ گے میں تمہیں دے دوں گا۔ وہ روڑے جیب میں ڈال لئے تا کہ ان میں سے کوئی بھی ضائع نہ ہو۔ جب وہ بچہ واپس آیا تو وہ روڑے اس کے سپرد کر دیئے۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از مولانا عبدالکریمؓ صاحب سیالکوٹی، صفحہ:40،41)

اب دیکھنے میں ایک بہت چھوٹی بات ہے مگر چھوٹی باتوں ہی سے عظیم باتیں پیدا ہوا کرتی ہیں۔ اگر کسی کو اتنا خیال ہے اپنے بچے سے سچا وعدہ کرنے کا کہ اس کے روڑے سنبھالتا پھرتا ہے تو اندازہ کریں کہ باہر کی دُنیا میں اس کا کیا حال ہوگا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کی بے شمار دلیلیں ہیں مگر یہ ایک دلیل بھی ہوشمند کے لئے کافی ہونی چاہئے۔ جو وعدوں کا اتنا سچا ہو وہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئیاں بیان کرنے اور دُنیا سے وعدے کرنے میں کتنا سچا نہیں ہوگا۔ پس اسی کو اپنا وطیرہ بنائیں اور اپنے بچوں کو خواہ مخواہ جھوٹے لارے نہ دیا کریں۔ اپنے گھر میں میں نے بچپن سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بات کی تاکید رکھی۔ ماؤں کی عادت ہوتی ہے میری بیگم مرحومہ بھی، بے خیالی میں لوگ سمجھتے نہیں کہ جھوٹ ہے، بے خیالی میں بچوں سے وعدے کر دیا کرتی تھیں کہ تمہیں میں یہ دے دوں گی، فلاں چیز دے دوں گی اور جب مجھے پتا چلتا میں وہ ضرور حاصل کر لیا کرتا تھا۔ یہ بھی ایک سمجھانے کا طریقہ تھا بجائے اس کے کہ ان کو کہوں کہ آپ نے جھوٹ بولا ہے، سختی کرتا، ان کو سمجھانے کا یہ طریق تھا کہ وہ چیز حاصل کر کے مہیا کر دیتا تھا تا کہ جب بچے واپس آئیں تو ان کے لئے موجود ہو۔ تو تربیت کے مختلف رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں۔ سچی بات کرنے میں ضروری نہیں کہ وہ کڑوی بات بھی ہو، سچی بات کہنے کے انداز الگ الگ ہیں۔ جب سچی بات کرنی ہی پڑے تو خواہ کسی کو کڑوی لگے وہ ضرور کرنی ہے۔ لیکن اگر آپ یہ پسند کرتے ہوں کہ اس بات کا کوئی ایسا تکلیف دہ اثر نہ پڑے تو یہ ممکن ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں بارہا اس کو آزمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے کبھی ساری عمر اپنے بچوں سے کوئی وعدہ نہیں کیا جس کو میں پورا نہ کر سکتا ہوں۔ اس کے نتیجہ میں مَیں خوش ہوں۔ میرے بعد اللہ اسی حال پر ان کو قائم رکھے، یہ میری دعا ہے۔ آپ بھی اپنے بچوں کے لئے یہی دعا کیا کریں اور جب یہ دعا کریں گے تو اس عمل کے بعد ہونی چاہئے جو اس دعا کے مطابق ہو ورنہ

وہی منافقت والی بات آجائے گی۔ آپ کے لئے بھی بچوں کی خاطر دل میں ایسا درد ہونا چاہئے جو اللہ کے فضل کے ساتھ ہمیشہ میں نے محسوس کیا اور میں جانتا ہوں کہ اللہ اس درد کو کبھی ضائع نہیں کرتا، توقع سے بڑھ کر پھل لگاتا ہے۔ تو اپنے گھروں میں تجربہ تو کر کے دیکھیں کتنا آسان تجربہ ہے۔ بچوں سے پیار ہوا کرتا ہے ان کے حق میں یہ باتیں کرنی ہیں اس میں کونسی مشکل ہے لیکن جو مشکل ہے وہ یہ کہ سر سے ٹالنے کی کوشش نہ کریں بچوں کو، جب بھی ٹالیں گے ہمیشہ کے لئے وہ ٹل جائیں گے پھر آپ کو ان کی نیکی دیکھنا نصیب نہیں ہوگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات میں سے جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے بہت بڑے واقعات ہیں اور حضرت مولوی عبدالکریمؓ صاحب سیالکوٹی نے وہ واقعات بڑے بیان کئے ہوئے ہیں اور بھی بہت سے صحابہؓ نے واقعات بیان کئے ہوئے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ چھوٹا سا کوئی وعدہ کیا ہے اور پھر وہ بھولے نہیں۔ ایک دفعہ ایک صحابی جو غالباً حضرت مولوی عبدالکریمؓ صاحب ہی تھے سوئے ہوئے تھے اور ان کی آنکھ کھلی تو دیکھا چارپائی کے نیچے فرش پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لیٹے ہوئے ہیں۔ وہ گھبرا کر اٹھے! کہ ہیں آپؑ یہاں لیٹے ہوئے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: نہیں، گھبراؤ نہیں، میں تمہاری حفاظت کر رہا ہوں، اپنے بچوں کے شور سے۔ بچوں کو میں نے باہر بھگا دیا تھا اور کہا تھا خبردار جو ادھر آئے میں یہاں ہوں گا۔ اس یقین پر کہ میں یہاں ہوں گا، وہ آپ کو تنگ نہیں کر رہے۔ آپؑ نے کہا اگر میری یہ بات غلط ہوتی، کوئی جھانک کے دیکھ لیتا کہ میں یہاں نہیں ہوں تو اس پر کیا بداثر پڑتا۔ ایک تو آپ کی نیند خراب ہوتی، دوسرا اس کی تربیت بگڑ جاتی۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از مولانا عبدالکریمؓ صاحب سیالکوٹی، صفحہ: 41)

اتنا باریک خیال تھا سچی، صاف اور کھری بات کرنے کا کہ آپ گردوپیش نظر ڈال کر دیکھ لیں۔ آپ کو کوئی دوسرا انسان اس باریکی کے ساتھ اپنی باتوں کی حفاظت کرنے والا نہیں ملے گا۔ یہ وہ شخص ہے جس کو لوگ جھوٹا بھی کہتے ہیں، ان کی اپنی بدنصیبی ہے۔ وہ جب مریں گے تو اللہ ان سے جو سلوک چاہے فرمائے لیکن ایک باشعور انسان جو گہرائی کی نظر سے کسی کے سچ کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اسے بڑی باتوں کی بجائے روزمرّہ کی چھوٹی باتوں میں اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ بڑی باتوں میں جھوٹ بولا جاتا ہے بڑے بڑے دعاوی میں بڑے جھوٹ بولے جاتے ہیں اور انسان سمجھتا ہے کہ میں ان

جھوٹوں کے ساتھ دُنیا میں عزت اور توقیر پا جاؤں گا لیکن چھوٹے معاملات میں گھر میں ہر روز کی چھوٹی چھوٹی زندگی کی باتوں میں جھوٹ نہ بولنا بہت بڑی آزمائش ہے، بہت کڑی آزمائش ہے۔ اس آزمائش پہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کبھی آپ کوئی آدمی نہیں دیکھیں گے جو اس طرح پورا اُترا ہو۔ اور آپ کو اپنے گھروں میں یہ دستور بنانا چاہئے اندر کی آزمائش کو سنبھال لیں، باہر اللہ تعالیٰ آپ کے وجود کو صاف ستھرا اور پاکیزہ وجود کے طور پر دُنیا کے سامنے ظاہر فرمائے گا پھر آپ کے بڑے دعاوی بھی قبول کئے جائیں گے لیکن فطرت میں دورنگی نہیں ہونی چاہئے۔ یہ دورنگی ہے جو انسان کو برباد کر دیتی ہے۔

اب اس ضمن میں خواہ یہ بعض نوٹس جو میرے رہ گئے ان کے نتیجہ میں خطبہ چھوٹا بھی ہو تو حرج نہیں کیونکہ ان آیات میں آئندہ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ سے متعلق جو میں باتیں کہنا چاہتا ہوں اس میں یہ کافی اہم اور وسیع ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ کی آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''حقیقت میں اس امر کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ انسان کا قول اور فعل باہم ایک مطابقت رکھتے ہوں۔ اگر ان میں مطابقت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ یعنی تم لوگوں کو تو نیکی کا امر کرتے ہو مگر اپنے آپ کو اس امر نیکی کا مخاطب نہیں بناتے بلکہ بھول جاتے ہو۔''

(الحکم جلد 9 نمبر 16 صفحہ: 2 مورخہ 10 مئی 1905ء)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے اور میں اسی سے بات شروع کرتا ہوں کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو تفسیر صغیر میں ترجمہ پیش فرمایا ہے اس میں اس پہلے حصّہ کو یہود کے متعلق اور سابقہ قوموں کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ سے وہ تورات اور پہلی کتب مقدسہ مراد لی ہیں۔ اس کی وجہ یہ حسن ظنی ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرمائے کہ کیا تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے نفس کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ یہود ایسا کیا کرتے تھے۔ اس لئے بھی حضرت مصلح موعودؓ کا خیال ادھر گیا لیکن اگلی آیت صاف بتا رہی ہے کہ اُمت مسلمہ ہی

مراد ہے کیونکہ پہلوں کو حکم دیتے ہوئے اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرما سکتا تھا وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ۔ اگر پہلی آیت میں پہلی قوموں کا ذکر ہوتا تو ان کو ان کی خرابی کی طرف متوجہ کر کے معاً یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اے گزری ہوئی قومو! وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ۔ تو میرے نزدیک لازماً یہاں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام مراد ہیں۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ میں یہ مراد نہیں ہے کہ تم ایسا کرتے ہو۔ مراد یہ ہے کہ تمہارے سپرد یہ کام کیا گیا ہے۔ تم تو امتوں کی اصلاح کے لئے، ان کو برائیوں سے روکنے کے لئے نکالے گئے ہو کیا ایسا کرو گے؟ یعنی ''اَ'' کا جو سوال ہے یہ ان معنوں میں آتا ہے کہ کیا تم یہ کرو گے کہ لوگوں کو تو نیکی کی نصیحت کر رہے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاؤ؟ ہرگز ایسا نہیں کرنا۔ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ۔ تم الْكِتٰبَ یعنی قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والی قوم ہو۔ تم سے ہرگز یہ توقع نہیں۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ پس کیا تم عقل نہیں کرو گے؟ یا کیا تم عقل نہیں کرتے؟ تو یہ سوال ہے ایک احتمال کے بیان کے طور پر جسے ردّ کرنا مقصود ہے اور اگلی آیت بعینہٖ اس کے مطابق ہے۔ یہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے بنی نوع انسان کی اصلاح، ان کو نیکی کا حکم دینا اور اپنے آپ کو نیکیوں پر قائم رکھنا یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے سوا ممکن نہیں۔ اس کے لئے لازم ہے کہ وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ تو اللہ سے صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ سے مدد مانگو۔

الصَّلٰوةِ کا معنی دعا بھی ہے اور الصَّلٰوةِ کا معنی روزمرّہ کی نماز جو ہم پڑھتے ہیں وہ بھی ہے۔ تو دونوں معنے اس میں آجائیں گے۔ وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ لازم ہے کہ نماز کی باقاعدگی اختیار کرو اور نمازوں میں بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہو کہ تم کبھی دوغلے نہ بنو، خدا کی نظر میں تم منافق نہ ٹھہرو اور صبر کے ساتھ اور عام چلتے پھرتے دعاؤں کے ساتھ خدا سے مدد مانگتے رہو۔ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ اگر یہ بات بہت بھاری ہے لوگوں پر، صبر کی تلقین میں اللہ سے مدد مانگنا یہ بھی بھاری ہے۔ اب جس چیز کے لئے مدد مانگ رہے ہیں وہ چیز ہی بھاری ہو جائے تو کیسے توفیق ملے گی۔ تو دراصل جو مدد مانگی جا رہی ہے اس میں یہ توفیق بھی شامل ہے کہ ہمیں یہ مدد مانگنے کی بھی توفیق عطا فرما لیکن ایک شرط رکھ دی ہے وہ لازم ہے۔ بہت بوجھل ہو گا یہ حکم مگر ان لوگوں کے لئے جو خاک بہ سر ہوں، ان کا نفس مارا ہوا ہو، وہ زمین پر بچھے رہنے والے ہوں، ان کے لئے معاملہ بوجھل نہیں ہو گا۔ اس لئے بوجھل نہیں ہو گا کہ جو زمین پر بیٹھا ہے اس نے تو بھیک مانگنی ہی ہے اور کیا کرے گا۔ اب اکثر فقیر جو ہیں ان کو آپ

دیکھیں گے زمین پر بیٹھے ہوتے ہیں کیونکہ زمین پر بیٹھنا ایک عاجزی کی علامت بھی ہے اور احتیاج کو ثابت کرتی ہے۔ جو زمین پر بیٹھا ہوگا اس نے ہاتھ پھیلانے ہی ہیں تو جس کو خدا تعالیٰ یہ توفیق دے کہ وہ خاک بہ سر ہو جائے اس کے لئے مشکل نہیں ہے۔ وہ اللہ سے مدد مانگے اور خواہ کتنے مشکل کام پر اللہ کی مدد طلب کر رہا ہو اللہ تعالیٰ اس کی اس عاجزی کو دیکھتے ہوئے اس پر ان راہوں کو آسان فرمادے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ”حقیقت میں اس امر کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ انسان کا قول اور فعل باہم ایک مطابقت رکھتے ہوں۔ اگر ان میں مطابقت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ یعنی تم لوگوں کو تو نیکی کا امر کرتے ہو مگر اپنے آپ کو اس امر نیکی کا مخاطب نہیں بناتے بلکہ بھول جاتے ہو۔“ اس ضمن میں جو ایک ترجمہ بعینہٖ عربی لغت کے مطابق ہے مگر عموماً یہاں بیان نہیں کیا جاتا وہ میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ میں اپنی جانیں تو مراد ہیں ہی مگر اَنْفُسَكُمْ سے مراد اپنے اہل و عیال بھی ہیں اور بعینہٖ عربی لغت کے مطابق یہ ترجمہ جائز بلکہ اہمیت رکھتا ہے۔ تو مراد یہ ہے کہ تم دُنیا کی اصلاح کے لئے نکلو گے، اپنی اصلاح نہ کرو، اپنے بچوں کی بھی نہ کرو جو گھر میں تمہارے سامنے تمہاری اصلاح کے لئے مہیا ہیں تو کس منہ سے دُنیا کے سامنے نکلو گے۔ یہ خیال ایک جھوٹا اور باطل خیال ہے کہ اس کے باوجود دُنیا تمہاری بات سن لے گی اور اس پر اثر پڑے گا۔ تو یہ اَنْفُسَكُمْ والا دوسرا معنی ہے کہ اپنے اہل و عیال، اپنے بچوں کو بھول جاتے ہو۔ یہ وہ معنی ہے جو مسلسل بیان کر رہا ہوں اور آپ کو خصوصیت سے اس کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ایک اور معنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بیان فرمایا ہے:

”خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ اس کا یہی مطلب ہے کہ اپنے نفس کو فراموش کر کے دوسرے کے عیوب کو نہ دیکھتا رہے۔“

اب یہ ایسا لطیف معنی ہے جس کا میرے علم کے مطابق کسی دوسرے مفسر کو کبھی خیال نہیں آیا۔ نیکی کا حکم دینا تو صاف نظر آ رہا ہے مگر اس کا یہ نتیجہ نکالنا کہ دوسروں کے عیوب ڈھونڈتا رہے۔ یہ بہت گہرا نفسیاتی نکتہ ہے جسے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گہرائی میں ڈوب کر سمجھا ہے آپ کو بھی سمجھنا چاہئے۔

''دوسرے کے عیوب کو نہ دیکھتا رہے بلکہ چاہئے کہ اپنے عیوب کو دیکھے کیونکہ خودتو وہ پابند ان امور کا نہیں ہوتا اس لئے آخر کار لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:3) کا مصداق ہو جاتا ہے۔''

(البدر جلد 3 نمبر 1 صفحہ:7 مؤرخہ 8 مارچ 1904ء)

اگر اپنے عیوب نہیں دیکھے گا تو اپنے نفس کو نیکی کا حکم کیسے دے گا یہ ہے بنیادی بات۔ اپنے عیوب کی تلاش اس آیت کا ایک لازمی حصّہ بنتا ہے۔ کوئی شخص اپنے نفس کو نیکی کی تعلیم نہیں دے سکتا جب تک اس کو معلوم نہ ہو کہ کن کن بدیوں کا شکار ہے۔ بدیوں کا علم ہی نہیں تو نیکی کی تعلیم کیسے ہو سکتی ہے۔ نیکی کا تو مطلب ہے بدیوں کو دور کرنا۔ بدیاں دور ہوں گی تو نیکیوں کا سلسلہ شروع ہوگا۔ ساتھ ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو اپنی بدیوں کی تلاش شروع کر دیتا ہے وہ دوسروں کی بدیوں کی تلاش سے باز آ جاتا ہے۔ یہ بہت ہی عظیم نفسیاتی نکتہ ہے جس کو بعض پہلے لوگوں نے اپنے طور پر، قرآن کریم کی آیت کی تشریح کے طور پر نہیں، اپنے طور پر پایا اور اس سے استفادہ کیا۔ میں اس ضمن میں بہادر شاہ ظفر کا ایک شعر پہلے بھی پڑھ کر سنا تا رہا ہوں۔ وہ کہتا ہے:

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

کیسی گہری فطرت کی بات وہ کر گیا ہے۔ اپنی برائیوں پر جب نظر پڑی تو اپنا وجود گندہ دکھائی دینے لگا اور اس کے بعد غیروں کے عیوب تلاش کرنے کا حوصلہ ہی باقی نہیں رہتا۔ یہ وہ نکتہ ہے جسے اس آیت سے جوڑ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھول کر بیان فرمایا ہے کیونکہ خودتو وہ پابند ان امور کا نہیں ہوتا اس لئے آخر کار لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا مصداق ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر اس سے زیادہ سخت فتویٰ قرآن کریم کا جاری ہو جاتا ہے کہ تم کیوں ایسی باتیں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

''اخلاص اور محبت سے کسی کو نصیحت کرنی بہت مشکل ہے لیکن بعض وقت نصیحت کرنے میں بھی ایک پوشیدہ بغض اور کبر ملا ہوا ہوتا ہے۔''

اخلاص اور محبت سے نصیحت کرنی مشکل ہے۔ اخلاص اور محبت سے نصیحت تب ہی ہو سکتی ہے اگر دل کا پوشیدہ کبر اٹھا کے باہر پھینک دیا جائے اور وہ جو ایک پوشیدہ کبر ہے وہ اپنی برائیوں کی تلاش کئے بغیر

نظر بھی نہیں آتا۔ یہ سلسلہ ہے جو اسی طرح سلسلہ وار آگے بڑھتا ہے۔ تو اپنے نفس کے عیوب پر نظر رکھنا، ہمیشہ اس کی تلاش رکھنا، اس کے نتیجہ میں پھر نصیحت میں بغض کا کوئی پہلو باقی نہیں رہے گا اور جب بغض کا پہلو نہیں رہے گا تو پھر سوائے ہمدردی کے کوئی وجہ نہیں ہوگی کہ تم نصیحت کرو گے اور یہی ہے جو اللہ تعالیٰ اُمّتِ مسلمہ سے چاہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے سوائے ہمدردی بنی نوع انسان کے کسی اور وجہ سے نصیحت نہیں کی اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوشیدہ بغض اور کبر کا جو ذکر فرمایا یہ روزمرّہ کے تجربہ میں دکھائی دیتا ہے۔ بچوں سے بھی وہ لوگ جو سختی سے بات کرتے ہیں اور سختی سے روکتے ہیں اگر وہ دل کو ٹٹول کر دیکھیں تو اس میں بھی ایک کبر ہوتا ہے۔ اپنے بچے کو سامنے حقیر اور بے طاقت دیکھ رہے ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں غلبہ ان پر ملا ہوا ہے اور اس کبر کی وجہ سے ان کی نصیحت کے انداز ہی میں ایسی کڑوی بات داخل ہو جاتی ہے جس سے نصیحت بے کار جاتی ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصائح کو باریکی سے پڑھیں اور باریکی سے ان پر عمل کرنا سیکھیں۔ اس کا لازمی نتیجہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکالا ہے:

”اگر خالص محبت سے وہ نصیحت کرتے ہوتے تو خدا ان کو اس آیت کے نیچے نہ لاتا۔ بڑا سعید وہ ہے جو اوّل اپنے عیوب کو دیکھے۔ ان کا پتا اس وقت لگتا ہے جب ہمیشہ امتحان لیتا رہے۔“

(البدر جلد 3 نمبر 1 صفحہ: 7 مؤرخہ 8 مارچ 1904ء)

اب یہ جو ہمیشگی کا امتحان ہے اس سے پتا چلا کہ کتنا مشکل موضوع ہے۔ ”ہمیشہ امتحان لیتا رہے۔“ صبح شام جو بات انسان کہے یا سوچے اس کو پرکھے بھی اور یہ وہ مشکلات ہیں جن کے لئے وَ اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوۃِ کا حکم ہے۔ اگر صبر کے ساتھ اور عبادت کے ساتھ اور دن رات کی دعاؤں کے ساتھ خدا تعالیٰ سے مدد نہیں مانگو گے تو بہت مشکل کام ہے جس کی طرف تمہیں بلایا جا رہا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”یاد رکھو اصلاح کے لئے صبر شرط ہے۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ تزکیہ اخلاق اور نفس کا نہیں ہو سکتا جب تک کہ کسی مزکّی نفس انسان کی صحبت میں نہ رہے۔“

اب جتنے مشکل مقامات کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بلاتے ہیں ہمیشہ بلا استثناء ان کا آسان حل بھی تجویز فرما دیتے ہیں اور اس آسان حل سے وابستہ جو مشکلات ہیں ان کا بھی آسان حل تجویز فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ آغاز جو بڑا مشکل آغاز تھا اس آغاز کا انجام آسان بنا دیتے ہیں تا کہ جماعت کے ہر چھوٹے بڑے کو اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ اب یہ بات بھی غور سے سن لیں کہ اس کو کیسے آسان بنایا۔ فرمایا تزکیہ اخلاق اور نفس کا مشکل کام ہے۔ ہر روز امتحان لو، کیسے امتحان لو کہ ہر وقت ان باتوں کی طرف خیال رہے گا اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی مزکّی نفس انسان کی صحبت میں آؤ۔ خدا تعالیٰ نے اس غرض سے مزکّی بنایا ہوا ہے کسی کو اور قرآن کریم نے وہ مزکّی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت ہم میں موجود نہیں لیکن مزکّی پھر کیسے ہوئے، کیسے ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اختیار کر سکتے ہیں؟ اگر صحبت اختیار کریں گے تو از خود تزکیہ ہونا شروع ہو جائے گا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک معنی یہ پیش فرمایا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصائح سے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نیک عمل کو دیکھ کر اپنا تزکیہ ایک حد تک کر لیا ہے اگر توفیق ملے تو ان لوگوں کے ساتھ رہو۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض سے اپنا تزکیہ کیا ہے وہ تزکیہ یافتہ لوگ آپ کا تزکیہ کر سکیں گے اور جو جو باتیں مشکل دکھائی دیتی ہیں آسان ہوتی چلی جائیں گی لیکن جن معنوں میں مَیں اس وقت بات رکھ رہا ہوں وہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا مسئلہ ہے۔ میرے نزدیک یہ ممکن ہے اور ان سارے مسائل کا جن کا ذکر گزرا ہے بہترین علاج یہ ہے۔ سوتے جاگتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اختیار کریں۔ جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کا تصور باندھتے ہیں تو وہ ایک صحبت ہے اور جب بھی آپ سوئیں اس کے نتیجہ میں بدخیالات از خود بھاگیں گے۔ اِنَّ الۡبَاطِلَ کَانَ زَہُوۡقًا۔ (بنی اسرائیل:82) اس کو بھگانے کے لئے آپ کو محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصور کی صحبت ہو اور بدخیالات وہاں راہ پا جائیں۔ ممکن ہی نہیں ہے کہ بیک وقت یہ دونوں باتیں اکٹھی چل سکیں۔

پس کتنا آسان مسئلہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اختیار کرنا اور یہ صحبت احسانوں کو یاد کر کے ہو سکتی ہے ورنہ یہ بھی مشکل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ہم پر احسانات فرمائے ہیں ان کا تو

شمار ممکن ہی نہیں ہے۔ روزمرّہ کی زندگی میں چھوٹی سے چھوٹی نصیحت آپ ﷺ نے پیچھے چھوڑ دی جس سے انسانی زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ کئی لوگ دانتوں کی بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ آج کل کے جدید ترین ڈاکٹر بھی ان کا کوئی مؤثر علاج نہیں کر سکتے۔ جو گل گئے دانت گل گئے لیکن حضرت رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت تھی اور اسی کی نصیحت فرماتے تھے کہ ہر نماز سے پہلے اچھی طرح مسواک کرو۔ اگر پانچ وقت کسی کو دانت صاف کرنے کی عادت ہو اور بچوں کو بھی جو آپ ضرور سکھاتے ہیں کہ یہ عادت ڈال دیں تو کیسے ممکن ہے کہ عمر کے کسی حصّہ میں بھی ان کے دانت خراب ہو جائیں۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ کوتاہیوں کے نتیجہ میں انسان کی عادت نہ رہی ہو تو پھر جو وہ دانتوں پر برا اثر پڑ جاتا ہے یہ الگ مسئلہ ہے۔ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جن کا مسواک کی عادت سے تعلق نہیں وہ اندرونی بیماریاں ہیں۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ بیماریوں کا ذکر نہیں فرمارہے۔ آپ ﷺ فرمارہے ہیں جو دانت تمہیں خدا نے دیئے ہیں جس حالت میں دیئے ہیں ان کی حفاظت تم پر فرض ہے۔ اگر اچھے دانتوں والا پانچ وقت کی اس عادت کو اپنا لے تو کبھی اس کے دانت خراب نہیں ہوں گے۔ چنانچہ میری ملاقاتوں پہ جو لوگ آتے ہیں ان میں بعض دفعہ نیا دولہا، دلہن، بہت خوبصورت دانت، ہنستے ہیں تو موتیوں کی طرح دانت دکھائی دیتے ہیں ان کو میں ضرور نصیحت کیا کرتا ہوں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت عطا فرمائی ہے اور ایک اور نعمت بھی دی ہے دُنیا اس سے اعراض کرتی ہے لیکن آپ نے اعراض نہیں کرنا، وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ اس نعمت کے سہارے اس ظاہری نعمت کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ پانچ وقت مسواک کیا کرو آج کل مسواک نہیں تو ٹوتھ پیسٹیں ہر قسم کی موجود ہیں۔ اگر پانچ وقت کرو تو ساری زندگی دانت صاف رہیں گے اور لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عمر کے ساتھ دانت ضرور جھڑتے ہیں یہ غلط ہے۔ عمر کے ساتھ جو اچھے دانت جن کی حفاظت کی جائے وہ مضبوط بھی رہتے ہیں کیونکہ دانتوں کی مضبوطی کا تعلق مسوڑھوں کی مضبوطی سے ہے اور جب آپ ان کی پانچ وقت صفائی کریں تو وہ جراثیم مسوڑھوں کو نرم ہونے ہی نہیں دیتے وہ ہمیشہ ٹھیک رہتے ہیں۔

پس یہ وہ صحبت ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ ایک معمولی، چھوٹی سی مثال میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے۔ اس صحبت کے لئے آپ ﷺ کے نعمت ہونے کا تصور اُن روزمرّہ کی نصیحتوں

میں سے اخذ کریں جو حضور اکرم ﷺ نے ہمیں فرمائیں۔ جسم کو پاک صاف رکھنا، ہر قسم کی بدیوں سے دور بھاگنا، جسم کی صفائی، ان میں سے ہر نصیحت ایک بہت بڑی نعمت ہے اور وہ سارے بدن کی صحت کے لئے انتہائی ضروری بن جاتی ہے۔ یہاں تک نصیحت کہ کھانے سے کب ہاتھ کھینچنا ہے اور کن چیزوں میں تکلف نہیں کرنا، جو کھانا ہے وہ پاک ہو، حلال ہی نہ ہو پاک بھی ہو۔ جب بھی اس میں یہ شبہ ہو کہ وہ حلال تو ہے مگر پاک نہیں رہا اس کو اٹھا کے پھینک دو یا دوبارہ اتنا گرم کرلو کہ یقین ہو جائے کہ وہ ناپاکی اس میں سے مرگئی ہے۔ یہ صرف چند چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں ان کا حد و شمار ہی نہیں ہے۔

میں نے تو ہمیشہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے احسانات کا تصور باندھا اور غور کیا تو حیران رہ گیا کہ کلیۃً ساری زندگی کے لئے ہم غلامان مصطفی آپ ﷺ کے احسانات کے تلے اتنا دب چکے ہیں کہ کبھی سر اٹھانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے۔ جو صحابہؓ آپ ﷺ کے سامنے آوازیں نیچی رکھتے تھے، جو ادب سے دیکھتے تھے ان کے متعلق یاد رکھیں کہ صرف آوازیں ہی دھیمی نہیں رکھتے تھے نظریں بھی نیچی رکھا کرتے تھے۔ اب میں خطبہ دیتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ اکثر لوگ محبت کی وجہ سے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے وقت یہ طریق نہیں تھا۔ ان کو اس سے بہت زیادہ محبت تھی جو آپ کو مجھ سے ہے مگر اپنی آوازیں بھی دھیمی رکھتے تھے اور اپنی نظروں کو بھی نیچا رکھتے تھے یہاں تک بعض صحابہؓ سے جب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کی شکل کیسی تھی تو دھاڑیں مار مار کے رونے لگے، زار و قطار رونے لگے، اتنا حسین چہرہ تھا کہ میں چاہتا بھی تو نظر پڑ ہی نہیں سکتی تھی اور پھر محبت اور عشق کے تقاضے کے نتیجے میں مجھے جرأت بھی نہیں ہوتی تھی کہ میں گھور کے دیکھوں، غور سے دیکھوں۔ اب میں یاد کرتا ہوں اور جب مجھ سے کوئی پوچھتا ہے تو میں بتا نہیں سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی تفصیل کیا تھی۔ پس یہ سارے وہ آداب ہیں جو آنحضرت ﷺ سے ہم نے سیکھے ہیں۔ اب ان پر غور کریں تو ہمیشہ ہمیش کے لئے آپ ان آداب کے احسان کے طور پر رسول اللہ ﷺ کی توقیر کرتے چلے جائیں گے اور آپ ﷺ کی عظمت کا تصور آپ کے دل میں بڑھتا چلا جائے گا، اپنے آپ کو ہمیشہ زیر بار سمجھیں گے اور یہ وہ صحبت ہے جس صحبت کا قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ

مزکّی تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے اس مزکّی نفس کی صحبت میں رہو۔ اگر یہ صحبت مل جائے تو وہ جو مسائل پہلے بیان کئے گئے ہیں یہ کرو، وہ کر وو ہ تو بالکل آسان اور ہر قسم کی مشکل سے آزاد ہو جائیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’جب تک کسی مزکّی نفس انسان کی صحبت میں نہ رہے۔ (یہ کام جن کی طرف میں بلا رہا ہوں یہ ممکن نہیں ہیں) اوّل دروازہ جو کھلتا ہے وہ گندگی دور ہونے سے کھلتا ہے۔ (اب گندگی دور کیسے ہوتی ہے یہ بھی بڑا دلچسپ مضمون ہے جو مسیح موعود علیہ السلام نے آگے بڑھایا ہے) جن پلید چیزوں کو مناسبت ہوتی ہے وہ اندر رہتی ہیں۔ (یعنی انسان کا دل گندگی سے اس لئے بھرا رہتا ہے کہ ان سے اس کو ایک مناسبت ہوتی ہے) لیکن جب کوئی تریاقی صحبت مل جاتی ہے تو اندرونی پلیدی رفتہ رفتہ دور ہونی شروع ہوتی ہے۔‘‘

کیونکہ پاک صحبت جب دل میں گھر کرتی ہے تو پلیدی خود بخود دوڑتی ہے۔ یعنی یہ مراد نہیں کہ وہ آ کے جھاڑو دیتا ہے آپ کے دل کو، آپ کے لئے گندا کام بھی گویا وہ کرتا ہے۔ یہ ایک بہت باریک نکتہ ہے اگر دل میں کسی عظیم شخص کی محبت پیدا ہو جائے اور وہ دل میں گھر کر جائے تو اس کے نتیجہ میں پلیدی اس سے بھاگتی ہے، اس کو بھگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے جب یہ فرمایا وَ قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ کَانَ زَهُوۡقًا تو یہی نکتہ ہے جو اس میں بیان فرمایا گیا۔ حق آ گیا یعنی ایک عظیم معنی اس کا یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم آ گئے۔ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ حق کے آتے ہی باطل نے دوڑنا شروع کیا۔ اِنَّ الۡبَاطِلَ کَانَ زَهُوۡقًا کیونکہ اس بدبخت کے مقدر میں دوڑنے کے سوا ہے ہی کچھ نہیں۔ وہ اس مقام پر ٹھہر نہیں سکتا۔ جس مقام پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم جاگزیں ہو چکے تھے۔ پس یہ وہ صحبت صالح ہے جس کا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ذکر فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

’’اندرونی پلیدی رفتہ رفتہ دور ہونی شروع ہوتی ہے کیونکہ پاکیزہ روح کے ساتھ جس کو قرآن کریم اور اسلام کی اصطلاح میں روح القدس کہتے ہیں۔‘‘

روح القدس ایک فرشتہ کا نام بھی بیان کیا جاتا ہے مگر وہ روح القدس جس کی بات مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کا پاک تصور ہے۔

’’جس کو قرآن کریم اور اسلام کی اصطلاح میں روح القدس کہتے ہیں اس کے ساتھ تعلق نہیں ہو سکتا جب تک کہ مناسبت نہ ہو۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ تعلق کب تک پیدا ہو جاتا

ہے۔( لیکن آخری بات وہی مٹی میں مل جانے والی بات فرما رہے ہیں ) خاک شو پیش از آنکہ خاک شوی۔‘‘

مٹی میں مل جاؤ پیشتر اس کے کہ وہ وقت آجائے کہ تم مٹی میں ملا دئے جاؤ، کہ مجبوراً مٹی میں مل جاؤ اس کا لفظی ترجمہ یہی بنے گا کہ مٹی میں خود مل جاؤ پیشتر اس کے کہ تم مجبوراً مٹی میں مل جاؤ۔ مٹی میں تو ملنا ہی ہے اس سے پہلے پہلے کیوں نہیں مٹی میں ملتے۔

’’اپنے آپ کو اس راہ میں خاک کر دے اور پورے صبر اور استقلال کے ساتھ اس راہ میں چلے۔ آخر اللہ تعالیٰ اس کی سچی محنت کو ضائع نہیں کرے گا اور اس کو وہ نور اور روشنی عطا کرے گا، جس کا وہ جویا ہوتا ہے۔ میں تو حیران ہو جاتا ہوں اور کچھ سمجھ (میں) نہیں آتا کہ انسان کیوں دلیری کرتا ہے جب کہ وہ جانتا ہے کہ خدا ہے۔‘‘

(الحکم جلد 5 نمبر 11 صفحہ:10 مؤرخہ 25 مارچ 1901ء)

پس ان سب امور کا ایک لازمی گہرا تعلق ہستی باری تعالیٰ پر ایمان کی حقیقت کے ساتھ ہے جس گہرائی کے ساتھ یہ حقیقت آپ کے دل میں جلوہ گر ہو گی اسی گہرائی کے ساتھ آنحضرت ﷺ اور روح القدس بھی آپ کو عطا ہونی شروع ہو جائے گی۔ کشتی نوح میں آپؑ فرماتے ہیں:

’’نماز اور صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو۔ نماز کیا چیز ہے۔ وہ دعا ہے جو تسبیح، تحمید، تقدیس اور استغفار اور درود کے ساتھ تضرع سے مانگی جاتی ہے۔ سو جب تم نماز پڑھو تو بے خبر لوگوں کی طرح اپنی دعاؤں میں صرف عربی الفاظ کے پابند نہ رہو کیونکہ ان کی نماز اور ان کا استغفار سب رسمیں ہیں جن کے ساتھ کوئی حقیقت نہیں۔‘‘

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ:68،69)

’’انسان کو جو حکم اللہ تعالیٰ نے شریعت کے رنگ میں دئے ہیں جیسے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (البقرۃ:44)، نماز کو قائم رکھو۔ یا فرمایا، وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ان پر جب وہ ایک عرصہ تک قائم رہتا ہے تو یہ احکام بھی شرعی رنگ سے نکل کر کَونی رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور پھر وہ ان احکام کی خلاف ورزی کر ہی نہیں سکتا۔‘‘

(الحکم جلد 7 نمبر 25 صفحہ:15 مؤرخہ 10 جولائی 1903ء)

کَوْنِی کا ایک مطلب ہے کائنات، وسیع تر دُنیا اور ایک کَونِی کا مطلب ہے فطرت اور جبلّت۔ تو فرمایا کہ جب ایک عرصہ تک تم یہ کام کرتے رہو گے تو وہ تمہاری جبلت بن جائے گا۔ تمہارے اختیار ہی میں نہیں رہے گا کہ اس سے باہر نکل سکو۔ پس جبلّت بنانے کے لئے جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے ایمان کی گہری حقیقت نصیب ہونی ضروری ہے اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر کامل ایمان کے نتیجے میں آپ کے دل پر وہ نور اترے گا جسے قرآن کریم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیان فرمایا ہے۔ اور اس نور کے ساتھ تمام اندھیروں کا دور ہونا، بھاگ جانا ایک طبعی اور لازمی حقیقت ہے اس کے ساتھ اگر آپ رہے، اس حالت میں آپ رہے تو یہ آپ کی جبلت بن جائے گی۔ آپ کی فطرت ثانیہ بن جائے گی بلکہ فطرت اولیٰ ہو جائے گی۔ دوسری ہر فطرت آپ کو ثانیہ دکھائی دے گی۔ خدا کرے کہ ہمیں اس کی توفیق ملے کیونکہ اس کے بغیر جو عظیم تقاضے ان سے وابستہ ہیں ان کا پورا ہونا ممکن نہیں ہو سکتا۔